بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(مرزا طلحہ احمد بشیر نائب وکیل المال اول تحریک جدید انجمن احمدیہ ربوہ۔ پاکستان)

کسی بھی شخص کی سیرت وسوانح بیان کرنے سے پہلے یہ لازمی امر ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کیا جائے کہ اچھی سیرت کے انسان میں کیا کیا خوبیاں ضروری ہیں۔ اگر اس سوال کو مذہبی نقطہ نگاہ سے پرکھا جائے تو ایک اچھا شخص وہ شخص ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے اعلیٰ معیار پر قائم ہو۔ سب سے پہلے تو ایسے شخص کا خدا تعالیٰ سے ایک پختہ تعلق ہونا چاہئے۔ یعنی یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی تمام صفات پر یقین کامل رکھتا ہو، اس کی توحید پر ایمان رکھتا ہو، آخری دن اور اس دنیا کا عارضی ٹھکانہ ہونا تسلیم کرتا ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام، تمام انبیاء، فرشتے اور ہر ایک چیز جس کا علم خدا تعالیٰ کے انبیاء اور کلام کے ذریعہ ہمیں دیا گیا ہے پر ایمان رکھتا ہو۔ جیسے جیسے اس کا یہ یقین ترقی کرتا چلا جائے گا اسی طرح اس کو یہ بھی یقین ہو جائے گا کہ اس کا حقیقی سہارا اس دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ترقی کرتی چلی جائے گی اور ساتھ ساتھ یہ خواہش بھی کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرنے والا بنے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا جینا مرنا صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہو جائے گا۔ تب جا کر وہ صحیح معنوں میں حقوق اللہ ادا کرنے کے اعلیٰ معیار پر قائم ہو جائے گا۔

اسی طرح اچھی سیرت کے لئے حقوق العباد کا ادا کرنا بھی ایک ضروری امر ہے۔ یعنی ایک انسان کو اچھا انسان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے ساتھ اس کے تمام معاملات انصاف پر مبنی ہوں۔ وہ ہمیشہ حق پر قائم ہو اور تمام لوگوں کے حقوق ادا کرنے والا ہو۔ وہ اپنے اہل وعیال کے لئے بھی اچھا ہو، اپنے دوستوں، اپنے رشتہ داروں، اپنے ہمسائیوں، اپنی قوم کے امراء غرباء، تمام کے ساتھ شفقت کرنے والا ہو یہاں تک کہ اس کے دشمن بھی اس سے ہمیشہ انصاف کی توقع کریں۔ اس میں نرمی پائی جاتی ہو، فیاضی پائی جاتی ہو، وہ چشم پوشی سے کام لینے والا ہو اور دشمنوں سے عفو کا سلوک کرنے والا ہو۔ جیسے جیسے ایک انسان اپنے اندر بہتری پیدا کرتا ہے وہ حقوق العباد ادا کرنے کے مدارج میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی تمام زندگی بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ تب جا کر وہ حقوق العباد ادا کرنے کے بھی اعلیٰ درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔

پس کوئی بھی انسان جس کے دل میں یہ خواہش ہو کہ وہ اپنا مقصدِ پیدائش پورا کر سکے، وہ تمام زندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو صحیح رنگ میں ادا کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔ لیکن بعض وجود دنیا میں ایسے گزرے ہیں

جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنے جاتے ہیں اور نیکیوں میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ ان کی شخصیت کو الفاظ میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔ ایسے وجود جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص قبولیت و عظمت حاصل ہوتی ہے اور وہ رہتی دنیا کے لئے ایک مثال بن جاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک پاک وجود ہندوستان کی سرزمین پر ایک چھوٹے سے قصبہ میں پیدا ہوا جن کا نام مرزا غلام احمد (علیہ السلام) رکھا گیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ کا وجود اللہ تعالیٰ کی محبت اور آنحضرت ﷺ کے نقشے پا پر ایسا قدم مارنے والا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق نبوت کا انعام پا گیا۔

آپ علیہ السلام ایک نہایت ہی نیک، متقی اور بہترین اخلاق والے انسان تھے۔ آپ کی ذات میں اس قدر کشش تھی کہ ہر شخص، جس کا بھی آپ سے واسطہ پڑا محسوس کرتا تھا کہ آپ ایک اعلیٰ ترین انسان ہیں۔ ہر شخص چاہے وہ آپ کے اہل و عیال میں شامل ہو یا غیروں میں شامل ہو، آپ کے دوستوں میں شامل ہو یا دشمنوں میں شامل ہو، آپ کی نیکی کا قائل ہو جایا کرتا تھا۔ آپ ہر نیکی کے حریص اور ہر برائی سے دور تھے۔ آپ کی صحبت کا اثر ایسا گہرا تھا کہ آپ کو دیکھ کر ہر ایک کا دل نیکی کی طرف مائل ہو جاتا تھا۔ آپ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے اعلیٰ ترین معیار قائم کئے۔ آپ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے اپنے مشن کو انتہائی دیانت داری، محنت اور شجاعت سے پورا کیا۔ آپ کا ہر قول و فعل خدا کی رضا کے لئے تھا اور آپ کی تمام زندگی بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے تھی۔ غرض یہ کہ آپ تمام دنیا والوں کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت کا نشان تھے اور آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ چنانچہ آپ کے گھر والے بھی یہ ہی گواہی دیا کرتے تھے۔ آپ کے بیٹے حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے بارہ میں یوں لکھا: ''الغرض حضرت مسیح موعود کا وجود ایک مجسم رحمت تھا۔ وہ رحمت تھا اسلام کے لئے اور رحمت تھا اس پیغام کے لئے جسے لے کر وہ خود آیا تھا۔ وہ رحمت تھا اس بستی کے لئے جس میں وہ پیدا ہوا اور رحمت تھا دنیا کے لئے جس کی طرف وہ مبعوث کیا گیا۔ وہ رحمت تھا اپنے اہل و عیال کے لئے اور رحمت تھا اپنے خاندان کے لئے۔ وہ رحمت تھا اپنے دوستوں کے لئے اور رحمت تھا اپنے دشمنوں کے لئے۔ اس نے رحمت کے بیج کو چاروں طرف بکھیرا۔ اوپر بھی اور نیچے بھی۔ آگے بھی اور پیچھے بھی، دائیں بھی اور بائیں بھی مگر بدقسمت ہے وہ جس پر یہ بیج تو آ کر گرا مگر اس نے ایک بنجر زمین کی طرح اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔'' (سلسلہ احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۱۱)

آپ علیہ السلام میں جہاں انتہاء کی نیکی اور روحانیت پائی جاتی تھی، وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری خوبصورتی سے بھی بے حد نوازا تھا۔ آپ علیہ السلام کا چہرہ مبارک بھی آپ کی خوبصورت شخصیت کی طرح مردانہ حسن کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔ آپ کا رنگ گندمی تھا اور آپ کے چہرے پر ایک عجیب قسم کا رعب تھا۔ آنکھیں ہمیشہ نیچی رہتی تھیں۔ چہرے کی جلد نرم تھی اور آپ کے چہرہ سے آپ کے دل کے جذبات واضح ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کے بال بہت ملائم اور سیدھے تھے۔ جسم کچھ ہلکا تھا مگر آخری عمر میں کچھ بھاری ہو گیا تھا۔ قد آپ کا درمیانہ تھا۔ آپ کے چہرہ پر اس قدر نور برستا تھا کہ غیر بھی اس کی شہادت دینے سے نہ رہ سکے۔ چنانچہ مکرم ولیم ایم ڈگلس جو آپ علیہ السلام کے

ایک مقدمہ کے جج بھی رہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اپنی پہلی ملاقات کا تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’نگاہیں نیچی ۔ بے حد نورانی چہرہ ۔اس کے چہرے میں ایک ایسی کشش تھی کہ میرا دل اور دماغ ہل کر رہ گئے ۔لگتا تھا کہ اسے دنیا سے کوئی رغبت ہی نہیں اور وہ آہستہ آہستہ چلا آرہا ہے۔میرے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ اس کے اتنے نورانی چہرہ سے اپنی نگاہیں اٹھا سکوں‘‘ (مطبوعہ الفضل ۱۸ مئی ۲۰۰۹) ۔ جہاں غیروں کی یہ شہادت تھی وہاں اپنوں کی کیا حالت ہوگی ۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت منشی اروڑا خاں صاحب نے ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا کہ آپ علیہ السلام سے زیادہ سچا اور زیادہ دیانت دار اور خدا پر زیادہ ایمان رکھنے والا شخص میں نے نہیں دیکھا۔انہیں دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے ۔باقی میں تو ان کے منہ کا بھوکا تھا ۔ (اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۹۴)

لباس آپ سادہ پہنا کرتے تھے، سر پر پگڑی باندھتے تھے اور ہاتھ میں عصا رکھنے کی عادت تھی ۔ جوتا دیسی پہنا کرتے تھے ۔کھانا بھی سادہ کھایا کرتے تھے ۔ جو مل جاتا وہ کھا لیتے مگر بعض مرتبہ اپنی پسند کی چیزیں بھی بنوا کر یا منگوا کر استعمال کی ہیں ۔لیکن عموماً ہر معاملے میں سادگی اختیار کی ہے جیسا کہ آپ کے بیٹے حضرت مرزا سلطان احمد کی گواہی ثابت کرتی ہے ۔آپ فرماتے تھے کہ والد صاحب نے اپنی عمر ایک مغل کے طور پر نہیں گزاری بلکہ فقیر کے طور پر گزاری ہے (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۰۱) ۔آپ خود بھی یہ ہی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے وہ لوگ جو دنیا میں سادگی سے زندگی بسر کرتے ہیں بہت ہی پیارے لگتے ہیں (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۴۰) ۔

اللہ تعالیٰ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بے حد عشق تھا ۔سوتے ہوئے بھی آپ علیہ السلام کی یہ ہی کیفیت ہوتی تھی کہ لبوں پر سبحان اللہ کے الفاظ ہوتے تھے (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۸۷) ۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا تو تب بھی آپ کی زبانِ مبارک سے جو کلمات نکلے وہ ’’اللہ میرے پیارے اللہ‘‘ ہی کے الفاظ تھے (سلسلہ احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۷۷) ۔اور آپ کی کیفیت اس قدر اطمینان کی تھی جیسے ایک لمبے سفر کے بعد ایک مسافر اپنی منزل کو دیکھ لے ۔لیکن اس سے بھی زیادہ اگر کسی بات سے آپ کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو وہ تنہائی میں لکھے نوٹ بک کے ایک صفحے پر آپ علیہ السلام کے وہ الفاظ ہیں جو آپ کی وفات کے بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے ۔اس نوٹ کا ہر ایک لفظ اس محبت کو جو آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لئے تھی کھول کھول کر بیان کر رہا ہے ۔ یہ تنہائی کے ان لمحات میں لکھے الفاظ ہیں کہ جب ایک بندہ اپنے رب کے ساتھ اکیلے میں باتیں کرتا ہے ، جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس کے اور اس کے رب کے ساتھ اور تیسرا کوئی نہیں تو وہ اپنے الفاظ میں اس طاقت کو تلاش کرتا ہے کہ ان میں اس محبت کو بیان کیا جا سکے جو اس کے دل کی گہرائیوں میں بستی ہے ۔اس کو یہ بھی علم ہوتا ہے کہ میرے دل کی حالت کا میرے رب سے زیادہ کون جانتا ہے؟ مگر پھر بھی وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ کسی طرح اس محبت کو الفاظ کی شکل دے کر خود بھی اپنی اس کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرے ۔ایسے ہی کسی وقت میں لکھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ پکار پکار کر بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے کس قدر عشق تھا ۔چنانچہ آپ نے اپنے اس نوٹ میں لکھا ہے کہ ’’اومیرے مولیٰ ! میرے پیارے مالک ! میرے محبوب ! میرے معشوق خدا ! دنیا کہتی ہے تو کافر ہے ۔مگر کیا تجھ سے پیارا مجھے

کوئی اور مل سکتا ہے۔ اگر ہوتو اس کی خاطر تجھے چھوڑ دوں۔ لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ جب لوگ دنیا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ جب میرے دوستوں اور دشمنوں کو علم تک نہیں ہوتا کہ میں کس حال میں ہوں اس وقت تو مجھے جگا تا ہے اور محبت سے پیار سے فرما تا ہے کہ غم نہ کھا۔ میں تیرے ساتھ ہوں ۔ تو پھر اے میرے مولیٰ یہ کسطرح ممکن ہے کہ اس احسان کے ہوتے پھر میں تجھے چھوڑ دوں۔ ہر گز نہیں ہر گز نہیں''۔ (انوار العلوم جلد ۱ صفحہ ۳۷۵، ۳۷۶)

آپ کی یہ محبت آپ کی روزمرہ زندگی میں بھی بڑی واضح طور پر نظر آتی تھی اور آپ اکثر وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ آپ فرائض نماز کی باقاعدہ ادائیگی کے ساتھ ساتھ چاشت، اشراق اور تہجد میں بھی مداومت اختیار کرتے۔ روزے سوائے بیماری یا سفر کے آپ نے باقاعدگی سے رکھے ہیں۔ روزوں کا اتنا شوق رکھتے تھے کہ ایک مرتبہ آپ نے تسلسل کے ساتھ چھ ماہ روزے رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی قرآن شریف سے بھی آپ کو انتہاء درجہ کا عشق تھا اور بچپن سے لے کر وفات تک سینکڑوں گواہیاں موجود ہیں کہ آپ کثرت سے قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ قرآن شریف کی بے حرمتی ایک پل کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے بیٹے مرزا مبارک احمد، جن سے آپ بے حد محبت کرتے تھے، سے بچپنے میں قرآن شریف کی بے ادبی ہوگئی تو غصہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے مرزا مبارک احمد کو ایک زور کا طمانچہ لگا دیا اور پھر فرمانے لگے کہ اس وقت اس کو میرے سامنے سے لے جایا جائے۔ یہ آپ علیہ السلام کی بطور باپ سختی نہیں تھی کیونکہ بچوں کے ساتھ سختی اور بدنی سزا کو آپ ناپسند فرمایا کرتے تھے بلکہ یہ ایک عاشقِ قرآن کی اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے عزت تھی کہ ایک بچے کی نادانی میں بھی قران شریف کی بے ادبی برداشت نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کے بعد آپ علیہ السلام نے سب سے زیادہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اور ایسی محبت کی ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ آپ ایک ایسے سچے عاشق تھے کہ اپنے آقا کی محبت میں محو ہو چکے تھے اور پھر اس عشق کے آگے آپ نے کسی انسان کی پرواہ نہیں کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اس محبت کے نتیجہ میں اپنے آپ کو اپنے محبوب کے رنگ میں اس قدر رنگ لیا تھا کہ پھر آپ کا ہر قول و فعل اپنے آقا کے نقش قدم پر تھا۔ آپ کی اس محبت کو ہر ایک نے محسوس کیا۔ حضرت مرزا سلطان احمد فرماتے ہیں کہ '' حضرت صاحب (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) سے تو والد صاحب کو عشق تھا۔ ایسا عشق میں نے کبھی کسی شخص میں نہیں دیکھا''۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۰۱) آپ کی یہ محبت آپ کی نظموں میں بھی نظر آئی اور آپ نے اس کے ذریعہ بار بار اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کے دل کا واحد مقصد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو پھیلانا ہے۔ آپ کی یہ محبت آپ کے ہر قول و فعل، ہر حرکت و سکون، ہر محفل میں نظر آتی تھی۔ آپ نے اپنی زندگی میں بہت کچھ برداشت کیا ہے مگر اگر آپ کے سامنے کوئی بھی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر بیٹھتا تو وہ آپ سے برداشت نہ ہوتا تھا۔ آپ کو اس قسم کی باتوں سے بہت تکلیف ہوتی تھی اور غصہ آجاتا تھا یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جایا کرتا تھا اور ایسی محفل سے فوراً اٹھ جایا کرتے تھے۔ دشمن نے جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو آپ نے

اپنا فرض سمجھتے ہوئے ان کا مقابلہ کیا۔ایسے وقت میں آپ کی حالت ایسے سپاہی کی طرح ہو جاتی تھی جو جنگ میں کھڑا اپنے سب سے بڑے دشمن کو سامنے پاتا ہے۔تب آپ خدا تعالیٰ کے شیر کی طرح دشمن کی طرف لپکتے اور مدلل دلائل کے ذریعہ ہر ایک وار کا مقابلہ کرتے۔ یہ وہ عشق تھا جو حضور علیہ السلام کی رگ رگ میں پایا جاتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جہاں خدا اور اس کے رسول سے بے حد عشق تھا، وہاں آپ کو اس بات پر بھی مکمل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسیح اور مہدی بنایا ہے۔آپ علیہ السلام کو اپنے آپ سے کئے خدا تعالیٰ کے تمام وعدوں پر بھی پورا یقین تھا اور آپ یہ ایمان رکھتے تھے کہ چاہے جو کچھ بھی ہو جائے خدا تعالیٰ کی بات نہیں ٹل سکتی۔اس بات کا جہاں اپنے اعتراف کرتے تھے وہاں غیر بھی انکار نہ کر پاتے۔ چنانچہ ہندوستان کے ایک انگریزی اخبار ''پائنیر'' نے آپ کی وفات کے وقت آپ کے بارہ میں لکھا کہ ''مرزا صاحب کو اپنے دعویٰ کے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا۔اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ ان پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے اور یہ کہ ان کو ایک خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے'' (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۵۵)۔ یہی وجہ تھی کہ آپ علیہ السلام نے اپنے اس مشن کو پورا کرنے کے لئے جس کے لئے خدا تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا تھا اپنے دن رات وقف رکھے۔آپ نے انتھک محنت کرتے ہوئے اپنا سارا کا سارا وقت خدمت دین کے کاموں میں صرف کیا ہے۔کام میں اتنے مصروف رہتے تھے کہ بعض دفعہ کھانا پینا بھی بھول جایا کرتے یہاں تک کہ کوئی شخص آ کر یاد کراتا تو پھر آپ کھانا تناول فرماتے۔آپ نے مختصر سے وقت میں 80 سے زائد کتابیں لکھی ہیں، سینکڑوں اشتہار چھاپے ہیں اور لاکھوں خطوط لکھے ہیں اور اپنا کوئی وقت بھی ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔آپ نے بہت سے مباحثے بھی کئے، بہت سی تقاریر بھی کیں۔ ہزاروں لوگ آپ سے ملنے آیا کرتے اور آپ کے مہمان بنتے، جہاں آپ نے ان کے ساتھ بہترین سلوک کرتے ہوئے مہمان نوازی کے اعلیٰ معیار قائم کئے وہاں ہمیشہ اپنے مشن کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی تعلیم و تربیت کا بھی مکمل خیال رکھا۔آپ نے ہر ایک کو دلائل کے ذریعہ سے قائل کرنے کی کوشش کی ہے یہاں تک کہ اپنے گھر والوں کو بھی۔ آپ علیہ السلام خود اپنے مشن پر یقین کی انتہاء کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس پر ایسا ہی یقین ہے جتنا کہ دنیا کی کسی چیز کے بارہ میں زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے۔(سلسلہ احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۸۸)

حضور علیہ السلام نے جہاں حقوق اللہ کا خیال رکھا ہے وہاں حقوق العباد کو بھی مکمل طور پر ادا کیا ہے۔آپ نے زندگی میں ہر ایک کے ساتھ پیار کا سلوک کیا ہے اور اگر کسی سے نفرت کی ہے تو وہ صرف گناہ سے کی ہے، کبھی کسی گناہگار سے نہیں کی جیسا کہ آپ علیہ السلام نے خود ایک مرتبہ فرمایا: ''دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔میں بنی نوع سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر ۔میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بد عملی اور نا انصافی اور بد اخلاقی سے بیزاری میرا اصول'' (روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۴۴)

آپ علیہ السلام نے اپنے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ادا کئے۔ والدین کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے۔ والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سر جھکا کر سامنے زمین پر ہی بیٹھ جایا کرتے تھے۔ والدین کے فرمانبردار بیٹے تھے۔فرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ دنیاوی کاموں سے سخت بیزاری کے باوجود آپ نے اپنے والد صاحب کی مرضی کے مطابق پرانے خاندانی مقدمات کی پیشیوں میں حاضری لگائی ہے اور لمبا عرصہ باوجود نا پسندیدگی کے سیالکوٹ میں ملازمت کی ہے۔

حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی آپ کا بہت ہی پیار کا تعلق تھااور آپ کے جذبات کا مکمل طور پر خیال رکھتے تھے۔ حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی لینے کے لئے مرزا سلطان احمد صاحب کی حویلی میں جایا کرتی تھیں جہاں ایک کنواں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ اس کنویں سے رات ۹ بجے کے قریب گرمیوں کے موسم میں پانی لینے گئیں۔آپ کے ساتھ بیگم حضرت ملک غلام حسین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔اس دوران باتوں باتوں میں حضرت اماں جان کسی بات پر ہنسیں۔مرزا سلطان احمد کی اہلیہ نے جب آپ کے ہنسنے کی آواز سنی تو کہنے لگیں کہ اگر ایسی بات ہے تو گھر میں کنواں کیوں نہیں لگا لیتیں؟ یہ بات سن کر حضرت اماں جان نہایت غمگین ہوکر گھر واپس آ گئیں۔ جب حضرت صاحب کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ علیہ اسلام نے اسی وقت حضرت ملک غلام حسین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر (جن کا مکان قریب ہی تھا) فرمایا کہ ابھی مرزا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس جائیں اور کہیں کہ دو چار کھودنے والوں کو بلایا جائے۔ چنانچہ رات کے دس بجے چار کھودنے والے آ گئے اور صبح تک آٹھ سے نو فٹ تک کنواں کھود دیا گیا۔ بعد میں ایک آدمی بٹالہ سے اینٹیں لینے بھی بھیجا گیا اور جلد سے جلد کام کروا کر یہ کنواں ۱۵ دن کے اندر اندر تیار کر دیا گیا (الحکم ۲۸ اپریل ۱۹۳۵ صفحہ ۴)۔ الغرض حضور علیہ السلام حضرت اماں جان کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا خیال رکھا کرتے تھے اور ہر تکلیف کو فوری دور کرنے کی کوشش کرتے۔ اسی طرح بیماری میں آپ کی تیمارداری کرتے۔حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات کو بڑی عزت دیا کرتے تھے یہاں تک کہ جو خادمائیں آپ کے گھر کام کرنے آیا کرتی تھیں وہ یہ کہا کرتی تھیں کہ ''مرجا بیوی دی گل بڑی مندا ہے'' (سیرت حضرت مسیح موعود، صفحہ ۴۰۰)۔ بیوی سے سختی کو نا پسند فرمایا کرتے تھے اور گھر میں بھی یہ ہی معمول تھا کہ کبھی سختی نہیں کی۔

بچوں سے بہت پیار کیا کرتے تھے اور ان کی ساری جائز خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ بچوں کی تربیت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے جس کے سبب بعض مرتبہ سختی بھی کی ہے مگر بدنی سزا کے سخت مخالف تھے۔اگر کسی استاد کو ایسا کرتے دیکھتے تو یہ اس کی ناکامی سمجھتے۔ ان کو سمجھانے کے لئے آپ علیہ السلام کا اپنا طریق ہمیشہ پیار اور شفقت والا ہوا کرتا تھا۔بعض مرتبہ بچوں کو کہانیاں بھی سنایا کرتے تھے مگر اس میں بھی ان کی تربیت کو مدنظر رکھتے۔ بچوں کے بچپنے سے کبھی تنگ نہ آتے بلکہ اکثر اوقات بچے آپ کے ارد گرد جمع ہو جایا کرتے اور کھیلتے یا آپ کو کہانیاں سناتے اور آپ بغیر تنگ آئے گھنٹوں ان کی یہ باتیں سنتے۔غرض یہ کہ آپ علیہ السلام ہر لحاظ سے ایک انتہائی شفیق باپ تھے اور یہ سب اپنے خدا کی رضا پانے کے لئے تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اولاد کی نعمت سے نوازا تو اس فضل پر خدا کے

خضور ہمیشہ شکر گزار رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اولاد کی وفات کے غم سے آزمایا تو تب بھی آپ نے انتہائی صبر و شکر سے اپنے رب کی اس مرضی کے آگے اپنا سر جھکا دیا۔ چنانچہ اس بارہ میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں: ''آپ بچوں کی خبر گیری اور پرورش اس طرح کرتے تھے۔ کہ ایک سرسری دیکھنے والا گمان کرے۔ کہ آپ سے زیادہ اولاد کی محبت کسی کو نہ ہوگی۔ اور بیماری میں اس قدر توجہ کرتے ہیں اور تیمارداری اور علاج میں ایسے محو ہوتے ہیں۔ کہ گویا اور کوئی فکر ہی نہیں۔ مگر باریک بین دیکھ سکتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور خدا کے لئے اس کی ضعیف مخلوق کی رعایت اور پرورش مدنظر ہے۔ آپ کی پلوٹھی بیٹی عصمت لدھیانہ میں ہیضہ سے بیمار ہوئی۔ آپ اس کے علاج میں یوں دوا دہی کرتے۔ کہ گویا اس کے بغیر زندگی محال ہے۔ اور ایک دنیا دار دنیا کی عرف و اصطلاح میں اولاد کا بھوکا اور شیفتہ اس سے زیادہ جانکاہی کر نہیں سکتا۔ مگر جب وہ مرگئی۔ آپ یوں الگ ہو گئے کہ گویا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اور جب سے کبھی ذکر تک نہیں کیا کہ کوئی لڑکی تھی''۔ (سیرت حضرت مسیح موعود، صفحہ نمبر 364)

غرض یہ کہ آپ علیہ السلام کی اولاد کے لئے محبت بھی دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی محبت تھی اور یہ ہی وجہ تھی کہ آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ کی تمام اولاد اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والی ہو جیسا کہ آپ علیہ السلام اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں:

اہل وقار ہوویں فخر دیار ہوویں

حق پر نثار ہوویں مولیٰ کے یار ہوویں

بابرگ و بار ہوویں اک سے ہزار ہوویں

یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

(درثمین)

رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے تمام دوستوں اور ماننے والوں کا بھی بہت خیال رکھا کرتے تھے اور آپ کی ذات تمام لوگوں کے لئے ایک پُر شفقت سایہ تھی۔ آپ ہر ایک سے پیار کرتے۔ ہر ایک کو چاہے وہ امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا بے حد عزت دیا کرتے تھے۔ آپ ہر ایک سے اتنی خوشی سے ملتے اور سب کے ساتھ اتنا اچھا رویہ ہوتا کہ تمام صحابہ یہ ہی سمجھا کرتے تھے کہ آپ علیہ السلام سب سے زیادہ ان سے محبت کرتے ہیں۔ آپ ان تمام لوگوں کی، جن سے آپ کا تعلق تھا اور تمام لوگ جو قادیان آپ کے پاس آیا کرتے تھے، پسند ناپسند کا خیال رکھا کرتے تھے۔ کھانا آپ سادہ کھایا کرتے تھے مگر جو بھی مہمان آتا آپ اس کی پسند اور عادت کے مطابق کھانا تیار کرواتے۔ جب کوئی مہمان آتا تو موسم کے مطابق اسے ٹھنڈا گرم پوچھا کرتے تھے۔ مہمانوں کی بہت ہی عزت کیا کرتے۔ بعض مرتبہ مہمانوں کی عادات کے مطابق قادیان سے باہر سے بھی چیزیں منگوا کر پیش کی ہیں۔

آپ تمام صحابہ کی تربیت کا خیال رکھا کرتے تھے۔ جہاں آپ نے اپنے دلائل کے ذریعے ان لوگوں کو قائل کیا وہاں اپنے اخلاق کے

ذریعے اپنے تمام صحابہ کے دل بھی جیت لئے۔ان کی تربیت کے لئے ہمیشہ پیار کا طریق اپنایا اور اپنے نمونہ سے اور پیار سے ان کو بہترین اخلاق کی تعلیم پیش کی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے صحابہ کی غیرت بھی بہت تھی۔حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالحکیم خان مرتد نے آپ کی جماعت پر کچھ اعتراضات کئے تو آپ نے اس کے جواب میں یوں تحریر فرمایا: ''۔۔۔میں نہیں جانتا کہ آپ اس افترا کا کیا خدا تعالیٰ کو جواب دیں گے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں۔اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور باتیں سننے کے وقت اس قدر روتے ہیں کہ ان کے گریبان تر ہوجاتے ہیں۔میں اپنے ہزار ہا بیعت کنندوں میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیروان سے جو ان کی زندگی میں ان پر ایمان لائے تھے ہزار ہا درجہ ان کو بہتر خیال کرتا ہوں ۔ اور ان کے چہرہ پر صحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں''۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۱۵۰)

نیز حضور علیہ السلام یہ بھی خیال رکھتے کہ آپ کے صحابہ کی کبھی بھی دل شکنی نہ ہو۔ جب بھی ایسا ہوتا دیکھتے تو صحابہ کی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔اسی طرح ان کی بیماری میں آپ ان کی تیمارداری کیا کرتے،علاج بھی کیا ہے اور کثرت سے ان کی صحت کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے۔صحابہ کے ایمان اور اعلیٰ اخلاق کے لئے بھی بہت دعا کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ حضرت صاحب چہرہ دیکھ کر سمجھ جاتے تھے کہ کسی شخص کے دل میں کیا ہے اور اگر کوئی خواہش پیدا ہوتی محسوس کرتے تو پھر اس خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی سے روایت ہے کہ کرم دین والے مقدمہ کے دوران حضرت صاحب گورداسپور تشریف لائے ہوئے تھے کہ ایک دن کچہری میں ایک جامن کے درخت کے نیچے کپڑا بچھا کر مع خدام تشریف فرما تھے۔حضور کے لئے دودھ کا ایک گلاس لایا گیا۔ چونکہ حضور کا تبرک پینے کے لئے سب ہی کی کوشش ہوتی تھی۔میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک غریب اور کمزور آدمی ہوں ،اتنے بڑے بڑے آدمیوں میں مجھے کس طرح حضور کا پس خوردہ مل سکتا ہے۔اس لئے میں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔حضور نے جب نصف گلاس نوش فرمالیا تو بقیہ میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا میاں عبدالعزیز بیٹھ کر اچھی طرح سے پی لو۔اسی طرح منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب مسجد مبارک میں مع احباب تشریف رکھتے تھے۔ میں باہر سے آیا اور سلام عرض کیا۔حضور سے مصافحہ کی بہت خواہش پیدا ہوئی مگر چونکہ مسجد بھری ہوئی تھی اور معزز احباب راستہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔میں نے آگے جانا مناسب نہ سمجھا۔ابھی میں کھڑا ہی تھا اور بیٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ حضور نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ میاں عبدالعزیز آؤ مصافحہ تو کرلو۔ چنانچہ دوستوں نے مجھے راستہ دیدیا اور میں نے جا کر مصافحہ کرلیا (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۵۶۷)۔پس حضور علیہ السلام اکثر مرتبہ صحابہ کے چہروں سے ان کے دل کی حالت سمجھ جایا کرتے تھے اور پھر اگر ان کو کسی مشکل میں پاتے تو ان کی اس مشکل کو دور کرنے کی کوشش کرتے ،ایسے بے شمار واقعات ہیں۔

حضور کی صحبت سے جہاں اپنے مستفید ہوتے وہاں غیروں کے لئے بھی آپ ایک رحمت کا نشان تھے۔آپ علیہ السلام کے دعویٰ کے بعد ہر طرف سے آپ کے خلاف ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہوا اور بے شمار دشمن آپ کے خلاف کھڑے ہو گئے مگر آپ نے کبھی کسی سے نفرت نہیں کی بلکہ ان تمام دشمنوں کو ہمیشہ جب بھی موقع ملا فائدہ پہنچانے کی کوشش کی۔ دور دور سے لوگ آتے اور آپ کے سامنے آپ کے خلاف بدزبانی کر کے چلے جاتے مگر آپ کبھی کسی ایسی بات کو توجہ نہ دیتے تھے۔آپ کے خلاف جھوٹے مقدمات بھی قائم کئے گئے مگر ہمیشہ جب بھی ایسے دشمن سے بدلہ لینے کا موقع ہاتھ آتا تو آپ ان کا فیصلہ خدا تعالیٰ پر چھوڑتے ہوئے ان کو معاف کر دیا کرتے۔آپ علیہ السلام اپنی ذات کے خلاف ہر قسم کے وار سے بے پرواہ تھے اور اپنے دشمن سے بھی انسانی ہمدردی کے تقاضوں کو اسی طرح پورا کرتے جس طرح کہ اپنے دوستوں سے۔ایک مرتبہ ایک مولوی قادیان آیا اور آپ کے منہ پر آپ کو دجال کہہ بیٹھا مگر اس بات کا بھی آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اندر تشریف لے گئے۔ جب آپ اندر پہنچے تو اسی مولوی نے آپ سے ایک رقعہ کے ذریعے کچھ رقم کا مطالبہ کر دیا کہ میں ضرورت مند ہوں میری مدد کرنی چاہیے۔تو یہ موقع بھی حضور نے ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اندر سے اسے ۱۵ روپے بھیج دیئے (اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۲۱۶)۔پس ایسے موقع پر بھی جب ایک شخص آپ کو اس دشمن کے نام سے پکارتا ہے جس کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دنیا میں بھیجا اور سخت بدزبانی کرتا ہے تب بھی آپ علیہ السلام اس کی مدد کرتے ہیں۔یہ وہ اعلیٰ اخلاق تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود کا حصہ تھے اور جس کی بدولت آپ ہر ایک کے لئے ایک رحمت کا نشان بن گئے۔

غصہ آپ علیہ السلام کو بالکل نہ آتا تھا۔آپ نے خود ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے بعض اوقات غصہ کی حالت تکلف سے بنانی پڑھتی ہے ورنہ خود طبیعت میں بہت کم غصہ ہے (سیرت المہدی جلد اول ۲۵۷)۔آپ کے خلاف بہت سے لوگوں نے بدزبانی کی۔آپ کے خلاف ہر قسم کی دل دکھانے والی باتیں کی گئیں مگر آپ کبھی ایسی باتوں کی پرواہ نہ کیا کرتے تھے اور آپ نے کبھی بھی اپنی ذات کے لئے بدلہ نہیں لیا۔لیکن اگر کبھی آپ کو کسی بات پر غصہ آیا ہے یا کوئی بات ناگوار گزری ہے تو وہ صرف اور صرف خدا اور اس کے رسول کی غیرت میں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپ ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور پھر چاہے سامنے کوئی بھی ہو آپ پرواہ نہ کیا کرتے تھے۔آپ نے اسی وجہ سے اپنے بعض رشتہ داروں سے قطع تعلق بھی کیا ہے، ایک دفعہ بعض صحابہ پر سخت ناراض بھی ہوئے جب وہ ایک ایسی مجلس سے فوراً نہ اٹھ آئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی کی جا رہی تھی اور آپ نے اپنے ان دشمنوں کا سلام تک لینا پسند نہیں کیا جو آپ کے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف بدزبانی کرتے تھے۔ اور وہ یہی عشق تھا جس کی وجہ سے آسمانوں پر آپ کی عزت کی گئی اور آپ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں شامل ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک اعلیٰ ترین انسان تھے۔آپ میں ہر نیکی پائی جاتی تھی اور ہر ایک برائی سے آپ میلوں دور تھے۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی سیرت کے بارہ میں لکھتے ہیں:

’’آپ نہایت رؤف رحیم تھے۔سخی تھے۔مہمان نواز تھے۔**اشجع الناس** تھے۔ابتلاؤں کے وقت جب لوگوں کے دل بیٹھے جاتے تھے آپ شیر نر کی طرح آگے بڑھتے تھے۔عفو، چشم پوشی، فیاضی، دیانت، خاکساری، صبر، شکر، استغناء، حیا، غض بصر، عفت، محنت، قناعت، وفاداری، بے تکلفی، سادگی، شفقت، ادب الٰہی، ادب رسول و بزرگانِ دین، حلم، میانہ روی، ادائیگی حقوق، ایفائے وعدہ۔چستی، ہمدردی، اشاعت دین، تربیت، حسن معاشرت، مال کی نگہداشت، وقار، طہارت، زندہ دلی اور مزاح، رازداری، غیرت، احسان، حفظ مراتب، حسن ظنی، ہمت، اور اولوالعزمی، خودداری، خوش روئی اور کشادہ پیشانی کظم غیظ، کف یدو کف لسان، ایثار، معمور الاوقات ہونا، انتظام، اشاعت علم و معرفت، خدا اور اس کے رسول کا عشق، کامل اتباع رسول، یہ مختصراً آپ کے اخلاق و عادات تھے۔

آپ میں ایک مقناطیسی جذب تھا۔ایک عجیب کشش تھی، رعب تھا، برکت تھی، موانست تھی، بات میں اثر تھا، دعا میں قبولیت تھی، خدام پروانہ وار حلقہ باندھ کر آپ کے پاس بیٹھتے تھے اور دلوں سے زنگ خود بخود دھلتا جاتا تھا۔

بے صبری۔کینہ۔حسد۔ظلم۔عداوت۔گندگی۔حرص دنیا۔بدخواہی۔پردہ دری۔غیبت۔کذب۔بے حیائی۔ناشکری۔تکبر۔کم ہمتی۔ بخل۔ تُرش روئی و کج خُلقی۔بزدلی۔چالاکی۔ فحشاء۔ بغاوت۔عجز۔کسل۔ناامیدی۔ریا۔تفاخر ناجائز۔دل دکھانا۔استہزاء۔تمسخر۔بدظنی۔بے غیرتی۔تہمت لگانا۔دھوکا۔اسراف و تبذیر۔بے احتیاطی۔چغلی۔لگائی بجھائی۔بے استقلالی۔ لجاجت۔بے وفائی۔لغو حرکات یا فضولیات میں انہماک، ناجائز بحث و مباحثہ۔پرخوری۔کن رسی۔افشائے عیب۔ گالی۔ ایذاء رسانی۔ سفلہ پن۔ ناجائز طرفداری۔خود بینی۔کسی کے دکھ میں خوشی محسوس کرنا۔ وقت کو ضائع کرنا۔ ان باتوں سے آپ کوسوں دور تھے۔

آپ فصیح و بلیغ تھے۔نہایت عقلمند تھے۔دور اندیش تھے۔سچے تارک الدنیا تھے۔سلطان القلم تھے اور حسب ذیل باتوں میں آپ کو خاص خصوصیت تھی۔خدا اور اس کے رسول کا عشق، شجاعت، محنت، توحید و توکل علی اللہ، مہمان نوازی، خاکساری، اور نمایاں پہلو آپ کے اخلاق کا یہ تھا کہ کسی کی دل آزاری کو نہایت ہی ناپسند فرماتے تھے۔ اگر کسی کو بھی ایسا کرتے دیکھ پاتے تو منع کرتے۔

آپ نماز باجماعت کی پابندی کرنے والے، تہجد گزار، دعا پر بے حد یقین رکھنے والے، سوائے مرض یا سفر کے ہمیشہ روزہ رکھنے والے، سادہ عادات والے، سخت مشقت برداشت کرنے والے اور ساری عمر جہاد میں گزارنے والے تھے۔

آپ نے انتقام بھی لیا ہے۔آپ نے سزا بھی دی ہے۔آپ نے جائز سختی بھی کی ہے۔تادیب بھی فرمائی ہے یہاں تک کہ تادیباً بعض دفعہ بچہ کو مارا بھی ہے۔ ملازموں کو یا بعض غلط کار لوگوں کو نکال بھی دیا ہے۔تقریر و تحریر میں سختی بھی کی ہے۔عزیزوں سے قطع تعلق بھی کیا ہے۔بعض خاص صورتوں میں **توریہ** کی اجازت بھی دی ہے۔بعض وقت سلسلہ کے دشمن کی پردہ دری بھی کی ہے۔ (مثلاً مولوی محمد حسین بٹالوی کے مہدی کے انکار کا خفیہ پمفلٹ) بددعا بھی کی ہے۔مگر اس قسم کی ہر ایک بات ضرورتاً اور صرف رضائے الٰہی اور دین کے مفاد کے لئے کی ہے نہ کہ ذاتی غرض سے۔آپ نے جھوٹے کو جھوٹا کہا۔جنہیں لئیم یا زنیم لکھا وہ واقعی لئیم اور زنیم تھے۔جن مسلمانوں کو غیر مسلم لکھا وہ واقعی غیر مسلم بلکہ اسلام کے حق میں غیر مسلموں سے بڑھ کر تھے۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آپ کے رحم اور عفو اور نرمی اور حلم والی صفات کا پہلو بہت غالب تھا۔یہاں تک کہ اس کے

غلبہ کی وجہ سے دوسرا پہلو عام حالات میں نظر بھی نہیں آتا تھا۔
آپ کو کسی نشہ کی عادت نہ تھی۔کوئی لغو حرکت نہ کرتے تھے،کوئی لغو بات نہ کیا کرتے تھے،خدا کی عزت اور دین کی غیرت کے آگے کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔آپ نے ایک دفعہ اعلانیہ ذب تہمت بھی کیا۔ایک مرتبہ دشمن پر مقدمہ میں خرچہ پڑا۔تو آپ نے اس کی درخواست پر اسے معاف کر دیا۔ایک فریق نے آپ کو قتل کا الزام لگا کر پھانسی دلانا چاہا مگر حاکم پر حق ظاہر ہو گیا۔اور اس نے آپ کو کہا۔ کہ آپ ان پر قانوناً دعویٰ کر کے سزا دلا سکتے ہیں مگر آپ نے درگزر کیا۔ آپ کے وکیل نے عدالت میں آپ کے دشمن پر اس کے نسب کے متعلق جرح کرنی چاہی ۔ مگر آپ نے اسے روک دیا۔
غرض یہ کہ آپ نے اخلاق کا وہ پہلو دنیا کے سامنے پیش کیا۔جو معجزانہ تھا۔سراپا حسن تھے۔سراسر احسان تھے۔اور اگر کسی شخص کا مثیل آپ کو کہا جا سکتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ ہے۔صلی اللہ علیہ وسلم اور بس۔'' (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۸۲۶)

غرض یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تمام زندگی خدا تعالیٰ کی رضا اور اپنے آقا کے نقشِ قدم کے مطابق بسر کی ہے۔
اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:
:''اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین (میں) اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں''۔
(النساء آیت ۷۰،ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

پس جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے خدا تعالیٰ نے ایک ایسی جماعت کی بنیاد رکھدی جو تقویٰ کی راہوں پر دنیا کے لوگوں سے آگے بڑھ جائے اور جو پوری دنیا کو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے اکٹھا کر دے، وہاں آپ علیہ السلام کی زندگی اور آپ کی شخصیت اور آپ کا وجود اس بات کی بھی گواہی دیتا ہے کہ وہ مذہب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں قائم کیا تھا اور جو تعلیم آپ اپنے ماننے والوں کے لئے لائے تھے، وہ مذہب آج بھی زندہ ہے اور وہ تعلیم ایک زندہ تعلیم ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، اس کے فضلوں کے دروازے ہمیشہ کی طرح آج بھی کھلے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب ایک زندہ مذہب ہے۔